© rasailojaraid.com

دنیا کے تین بڑے جاہلی تمدن

مغربی تمدن اور اس کی اساس

(۲)

از جناب مولوی ابو صالح اعظمی صاحب پٹھان کوٹ

مغربی تہذیب جن تہذیبوں کی جائز وارث ہے ان پر ایک طویل بحث ہم گذشتہ نمبر میں کر چکے ہیں۔ چونکہ جدید مغربی تہذیب ان دونوں قدیم تمدنوں سے زیادہ سائنٹفک اور مدلل ہے اس لئے اس پر ایک طویل بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اپنی ساخت اور اپنے اصول کے لحاظ سے ان دونوں تہذیبوں میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ فرق صرف شکل و صورت کا ہے۔

مغرب کا نظریۂ کائنات اور انسانیت کا مقصد

مغرب کا نظریۂ کائنات یہ ہے کہ یہ سارا نظام کائنات ایک اتفاقی (Accidental) ہنگامۂ وجود و ظہور ہے جس کے پیچھے کوئی حکمت کوئی مصلحت اور کوئی مقصد کارفرما نہیں ہے، یونہی بن گیا ہے، بغیر کسی مقصد کے چل رہا ہے، اور یونہی بے نتیجہ ختم ہو جائے گا اس کا کوئی خدا نہیں ہے۔ انسان ایک قسم کا جانور ہے جو دوسری چیزوں کی طرح اتفاقاً یہاں پیدا ہو گیا۔ وہ کچھ حیوانوں جیسی خواہشات رکھتا ہے اس کی زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ طبع حیوانی کے مطالبات کو پورا کرے۔ انسان سے مافوق کوئی علم و حکمت کا منبع اور ہدایت کا سرچشمہ موجود نہیں ہے جہاں سے اس کو اپنی زندگی کا قانون مل سکتا ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لہٰذا اس کو اپنے گرد و پیش کے آثار و احوال سے اور اپنے تاریخی تجربات سے خود ہی ایک قانونِ عمل اخذ کرنا چاہیئے۔ بظاہر کوئی ایسی مافوق ذات نظر نہیں آتی جس کے سامنے انسان جوابدہ ہو، اس لئے انسان بجائے خود ایک غیر ذمہ دار ہستی ہے اور اگر کسی کے سامنے جوابدہ ہے تو اپنے ہی سامنے، یا اس اقتدار کے سامنے جو خود انسانوں ہی میں سے پیدا ہو کر افراد پر مستولی ہو جائے۔ اعمال کے نتائج جو کچھ بھی اس دنیوی زندگی کی حد تک ہیں۔ اس کے ماسوا کوئی زندگی نہیں ہے۔ لہٰذا معیار خیر و شر، صحیح و غلط، مفید و مضر، قابلِ اخذ ہیں اور قابلِ ترک ہونے کا فیصلہ انہی نتائج کے لحاظ سے کیا جائے گا جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔

ہر زمانہ میں کائنات اور خدا کے متعلق دنیا پرستوں کا یہی نظریہ رہا ہے اور جن قوموں کی تمدنی ترقی کے گیت تاریخ میں گائے جاتے ہیں بالعموم ان سب کے تمدنوں کی جڑ میں یہ غیر خدا پرستانہ نظریہ کام کرتا رہا ہے۔ موجودہ مغربی تہذیب کی بنیاد بھی اس نظریہ پر اٹھائی گئی ہے۔ شعوری اور غیر شعوری طریقہ سے یہ تصورحیات آج بڑی شدت سے لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ جو لوگ خدا کے قائل ہیں اور آخرت کے بھی منکر نہیں ہیں اور نہ نظری حیثیت سے مادہ پرستانہ اخلاق کے قائل ہیں ان کی زندگیوں اور ان کے اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ جو روح ان کے اندر کام کر رہی ہے وہ اسی انکارِ خدا و آخرت اور اسی مادہ پرستانہ اخلاق ہی کی روح ہے اور کچھ اس طرح ان کی زندگیوں میں پیوست ہو گئی ہے کہ واقعی وہ اپنی زندگی میں دہریہ اور مادہ پرست ہیں کیونکہ ان کے علمی نظریہ کو ان کی عملی زندگی سے بالفعل کوئی ربط نہیں ہے اور اسی نظریۂ زندگی پر مغرب کے تمدن کی مشین چل رہی ہے، ان کی سیاست، ان کی معیشت، ان کی معاشرت، غرضکہ انسانی زندگی کے تمام شعبے اسی ایک محور کے ارد گرد چکر کاٹ رہے ہیں۔ ان کے تمدن کی اٹھان، ان کی معاشرت کا ابھار، ان کی معیشت کی تنظیم اور ان کے تمام بین الانسانی معاملات انھیں اصولوں کے مطابق طے پاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انجام دئیے جاتے ہیں جنھیں ہم اپنی اصطلاح میں لادینی نظریہ زندگی یا مادی اصولِ زندگی کہتے ہیں۔

جب کائنات اور انسان کے متعلق یورپ نے خالص مادی نقطۂ نظر اختیار کرلیا اور یورپ کے فلسفیوں نے مغرب کو مادیت اور الحاد کے بیابان میں ڈالدیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب کا رخ ایک مکمل اور وسیع مادیت کی طرف پھر گیا، خیالات، نقطۂ نظر، نفسیات و ذہنیت اخلاق و اجتماع، علم و ادب، حکومت و سیاست، غرض زندگی کے تمام شعبوں پر مادیت غالب آگئی، اگرچہ یہ تغیر تدریجی اور آہستہ آہستہ ہوا اور ابتدا میں اس کے ارتقاء کی رفتار سست تھی لیکن جب عزم و قوت کے ساتھ یورپ نے مادیت کی طرف حرکت شروع کی، علمائِ فلسفہ اور ماہرین علوم طبیعیات نے کائنات میں اس طرز پر غور و فکر اور بحث و نظر کرنی شروع کی کہ گویا نہ کوئی اس کائنات کا خالق ہے نہ منتظم و حاکم اور طبعیات اور مادہ کے ماورا کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس عالم میں تصرف اور نظم و نسق کرتی ہے وہ اس عالمِ طبیعی اور اس کے ظواہر کی تفسیر خالص میکانکی طریقہ پر کرنے لگے اور اس کا نام انھوں نے علمی اور تحقیقی طرزِ مطالعہ قرار دیا اور ہر ایسی بحث و نظر جو خدا کے وجود اور اس کے یقین پر ہو اُسے تقلیدی اور غیر علمی طرزِ مطالعہ قرار دیا۔

اس طرزِ فکر اور اس نقطۂ نظر کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے چلتے چلتے حرکت اور مادہ کے سوا ہر چیز کا انکار کردیا اور ہر اس چیز کے تسلیم کرنے سے عذر کیا جو حواس اور تجربہ کے اندر نہیں آتی تھیں اور جو نہ ناپی جاسکتی تھیں اور نہ انھیں تولا ہی جاسکتا تھا۔ خدا کا وجود اور تمام حقایق مابعد الطبیعات ایسے مفروضات بن گئے جن کی گویا عقل و فلسفہ سے کوئی تائید ہی نہیں ہوتی اور جو نعوذ باللہ سراسر زائیات (میتھالوجی) ہیں۔ لیکن بہر حال ان میں ابھی یہ جرأت نہیں پیدا ہوئی تھی کہ صاف صاف خدا کا انکار کردیں، اور مذہب سے واضح لفظوں میں اپنی برأت ظاہر کردیں، اور فی الواقع سب کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب اس مادی نقطہ نظر کے قائل بھی نہ تھے لیکن جو طریق فکر اور بحث و نظر میں جو راہ عمل انھوں نے اختیار کی تھی وہ ایسے دین کے ساتھ لگا نہیں کھا سکتی تھی جس کی پوری عمارت ایمان بالغیب اور وحی و نبوت کی بنیاد پر ہو اور جو حیاتِ اخروی پر اس قدر زور دیتا ہو، ان میں سے کوئی چیز بھی ان کی میزان حواس و تجربہ کے تحت نہیں آتی تھی اور نہ وزن اور پیمائش سے ان کی تصدیق کی جاسکتی تھی۔ اس لئے روز بروز ان کے دینی عقائد متزلزل ہوتے گئے اور مادہ پرست فلسفیوں نے انھیں فطری راستہ سے پھسلا دیا۔ اور لوگ الحاد کی وادی میں اپنی خواہشات کی تسکین کرنے لگے۔

یہی زمانہ ہے جب سرزمین یورپ سے ایسے مصنف، فلسفی، ادیب، سائنٹسٹ پیدا ہوئے جنھوں نے الحاد و مادیت کا صور پھونکا اور عقلی و نقلی دلائل سے مادیت کی آب یاری کی، علماء اخلاق نے اخلاق کی مادی اور افادی تفسیر بیان کرنی شروع کی، ان میں چند نمایاں حیثیت کے مالک ہیں جنھوں نے الحاد کو عین دین حق ثابت کر دکھایا اور ان میں نمایاں ترین حیثیت مکیاویلی (۱۴۶۹ — ۱۵۱۶) کی ہے۔

مکیاویلی

اس نے دین و سیاست کی تفریق کی دعوت دی، اس نے اخلاق کو حکومت اور سوسائٹی کے ایوانوں سے جلاوطن کر دینے کا مشورہ دیا۔ اس کے نزدیک اخلاق و مذہب کا کوئی مصرف نہیں ہے اس کا خیال تھا کہ اگر مذہب کی ضرورت کبھی پڑتی ہے تو وہ انسان کا محض ایک پرائیویٹ معاملہ ہے جس کو اجتماع اور امور سیاست میں داخل کرنا بے انصافی ہے۔ حکومت ہر چیز پر مقدم اور ہر شے سے بیش قیمت ہے۔

مکیاولی کے ان خیالات کا پس منظر

مکیاولی کے ان خیالات کا پس منظر سولھویں صدی کی مسیحیت تھی، جس میں یقیناً افراد و جماعات کے لئے کوئی مکمل ضابطہ اخلاق و آئین مشکل ہی سے مل سکتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر اس کے سامنے شہنشاہیت اور پاپائیت کی دائمی جنگ اور خود کلیسائی اداروں کی اندرونی زبوں حالی اور خود غرضی کے مناظر بھی تھے جن کے باعث اس نے مذہب اور اخلاق کو اجتماعی حیثیت دینے سے انکار کر دیا اور حرم سیاست سے ان کا دور رہنا ہی مناسب سمجھا۔ میکیاویلی نے صاف صاف کہا کہ افراد چاہیں تو نجی طور پر اخلاق و مذہب کی پابندی کر سکتے ہیں لیکن حکومت اور ریاست کو ان سے بالاتر رکھنا چاہیئے۔ مملکت اور ریاست کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے بقا اور استحکام کے لئے حصول قوت و اقتدار کے لئے کوشاں رہے۔ چاہے وہ ذرائع جائز ہوں یا ناجائز ہاں اگر مذہب و اخلاق سے سیاسی فوائد کے حصول میں مدد ملتی ہے تو عارضی طور سے انھیں اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ میکیاویلی نے اس ابن الوقتی کی حکمت عملی کو عین اقتضاء سیاست بتایا ہے جس پر ایک کامیاب مدبر اور سیاست کار کے لئے عمل کرنا ضروری ہے۔ پچھلی چار صدیوں میں ——— اس تعلیم کو یورپ میں بڑی مقبولیت نصیب ہوئی، اس باطل پرست فلارنسوی کی تعلیم نے حیلہ اندازی اور سیہ کاری کو فن لطیف بنا دیا، سچ اور جھوٹ کو باہم گلے ملا دیا۔ اور آج اس کی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی سیاست اسی غلط کار کے اصول مخترعہ پر گھوم رہی ہے۔

یورپ نے اجتماعی زندگی سے خدا، آخرت، اخلاق، مذہب کو بالکل خارج کر دیا۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے اثرات | نشاۃ ثانیہ کے بعد یورپ میں اہل علم و اختراع کی ذہانت ایسے رازوں کے انکشاف میں منہمک ہو گئی۔ جو مملکت کی توسیع اور تقویت میں ممد و معاون ثابت ہوں چاہے ان کے برتنے میں اخلاقِ انسانی کا خون ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ میکیاویلی نے زمانہ پرستی کو اصول و عقیدہ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا اور حکومت کو یہ حق دیدیا کہ وہ اپنے استحکام و بقاء کے لئے جو بھی ذرائع اختیار کرے گی اس کے لئے سب مباح اور احسن ہوں گے۔ اس لئے کہ اصل چیز مقصد ہے نہ کہ ذریعہ، اگر کوئی مدبر اپنے اخلاقی اصولوں کی وجہ سے مملکت کو تھوڑا سا بھی نقصان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہنچاتا ہے تو وہ قوم اور ملک کے درمیان مجرم ہے۔ مکیاویلی نے اپنے خیالی بادشاہ کے لئے جو آزادیاں روا رکھی ہیں وہ چاہتا ہے کہ تمام دنیا کے سلاطین اور مدبرین ان اصولوں کو اختیار کرلیں، اور یہی ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد یورپ میں مطلق العنان حکمرانوں اور جمہوری حکومتوں نے اس کے اصولوں کو من وعن تسلیم کرلیا۔

ایک انگریز مصنف جان ہائی لینڈ (John Highy Land) لکھتا ہے کہ ۱۵۳۲ء میں جب اطالوی مصنف اور سیاست دان مکیاویلی نے اپنی مشہور کتاب "رئیس" (Prince) شائع کی تو اس میں اس نے مطلق العنانی کا ایک انتہائی تصور پیش کیا۔ اس کے نزدیک ریاست کے مفاد کو ایک مطلق العنان فرمانروا کی ذات میں مرتکز کردینا چاہیے جو مذہب اور اخلاق کے قوانین سے بالاتر ہو۔ مکیاویلی کے یہ تصورات اس عہد کی روح کا خلاصہ ہیں۔ یہ روح وہ تھی جو متعدد حیثیتوں سے سولہویں صدی، سترہویں اور اٹھارہویں صدی سے گذر کر آج تک باقی ہے۔[۵]

مکیاویلی کے خیالات نے ایک طبقہ ایسا پیدا کردیا تھا جو اس کے خیالات کا حامل تھا اور جنھوں نے بڑے شد و مد کے ساتھ اس کے خیالات کی اشاعت کی اور ہر طرح سے اس کو مقبولِ عام بنایا۔ بدقسمتی سے اس زمانہ میں کلیسا اپنی دنیا پرستی اور مظالم سے یورپ کے عوام میں اپنا اثر و اقتدار کھو چکا تھا، عوام نے اچھی طرح سے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا کہ مقدس مسیحیت ان کے دکھوں کا علاج نہیں ہوسکتی۔ مسیح کے علمبرداروں کی مسیحائی اور صداقت کا اعتبار اٹھ چکا تھا۔ خدا اور مذہب کے خلاف شدید تنفر پیدا ہوگیا تھا۔ لوگ اپنے مصائب اور آلام کا بڑی حد تک ذمہ دار مذہب کو قرار دے رہے تھے۔ اس مسیحائی ماحول میں روسو وغیرہ نے بڑے زور شور سے سرمایہ داری اور کلیسا کے خلاف عوام کو بھڑکایا اور ان کو یہ یقین دلایا کہ تمہارے امراض کا واحد علاج سرمایہ داری کا خاتمہ

---

[۵] Briefe History of Cirilizatrah. P. 162.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخصی مطلق العنانی اور پاپائیت کے جوے کو اتار پھینکنے میں ہے۔ اسی کے نتیجہ میں مشہور انقلاب فرانس رونما ہوا جو شخصی مطلق العنانی اور پاپائیت کے لئے پیام موت تھا۔ اور الحاد اور بے دینی کا آغاز تھا۔ اسی زمانہ میں خدائی حقوق کی دہائیاں فضائے آسمانی میں بلند کی گئیں اور دنیائے جدید کی بنیاد ڈالی گئی۔

انقلاب فرانس انقلاب فرانس جن وجوہ کی بنا پر رونما ہوا تھا وہی اسباب تھے جو ہر انقلاب سے پہلے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کے پس منظر پر تھوڑی سی بحث کریں۔ تاکہ تمام الحاد کی کڑیاں ملتی جائیں۔ یورپ میں کلیسائی نظام اور مطلق العنانی شہنشاہی سے جو ملک زیادہ گرانبار تھے ان میں ایک بدقسمت ملک فرانس بھی تھا۔ پادریوں اور شہنشاہوں کے ناجائز اتحاد میں جن ممالک کی مٹی زیادہ پلید ہوئی تھی اس کی سرفہرست میں فرانس تھا۔ اٹھارہویں صدی میں جب تعلیم کی اشاعت عام ہوگئی، تجارت کو فروغ نصیب ہوا، مال و دولت میں بیش بہا اضافے ہوئے اور سائنس نے نیچر کی قوتوں پر قابو پالیا اور اس سے قوت حاصل کرنے کے تازے خزانے دریافت کئے، ویسے ہی ویسے جہالت اپنے پردے سمیٹنے لگی اور آزادی کی خواہش بھی قوی سے قوی تر ہوتی گئی۔ اور اس آزادی کے ساتھ فرد اور اجتماع کی آزادی کا تخیل بھی شدت کے ساتھ زور پکڑنے لگا۔ مطلق العنان حکمرانی کو جمہور تشویش اور بے چینی کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور رفتہ رفتہ مطلق العنانی کی مقبولیت کے ختم ہونے کا موسم خزاں آ گیا۔

مفکروں اور ادیبوں کا ایک عظیم الشان سلسلہ روسو کی قیادت میں دنیا کو آزادی کے تصور سے روشناس کرانے میں مشغول تھا۔ روسو نے اپنی مشہور و معروف کتاب (Social Contract) لکھ کر مطلق العنانی کی دیوار کو شگاف لگا دیا اور خدائی حقوق کے نظریے کے پرخچے اڑا دیئے۔ مطلق العنان حکمرانوں کو اپنی موت مسکراتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ عوام آگ و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خون کی ہولی کھیلنے کے لئے انقلاب کی تیاریاں کر رہے تھے، انقلاب کا مادہ آتشگیر پک رہا تھا۔ انقلاب کے فطری اسباب مہیا کئے جا رہے تھے۔ روسو اور مانٹیگو اس کارواں کے سالار تھے جو بڑی ہوشیاری سے انقلاب کا رخ متعین کرنے میں مشغول تھے۔ مانٹیگو نے موجودہ سیاسی اداروں پر سخت تنقید کی اور اس نے صاف صاف عوام کو بتایا کہ موجودہ حالات اکثر و بیشتر غیر منصفانہ ہیں۔ عوام کو چاہیئے کہ انھیں بدل ڈالیں اور اس کے بدلے میں ایک ایسا سماج پیدا کریں جو فرد اور جمہور کی سیاسی آزادی پر قائم ہو۔ ان خیالات کا عوام پر بڑا اثر ہوا، ان کی شاداب تحریروں نے عوام کے مردہ احساس میں جان ڈالدی۔ بالآخر ایک دن آیا کہ عوام نے اس ناپاک ظالمانہ نظام کی گوناگوں خرابیوں سے نالاں ہو کر بغاوت کردی اور فرانس کی مشہور بوربن عوام کے سیلاب میں تنکے کی طرح بہہ گئی۔

انقلابِ فرانس کے اثرات دنیا پر انقلاب فرانس اپنے جلو میں جمہوری آزادی اور مساوات کا تخیل لیکر آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام دنیا میں جمہوریت کی بادِ بہاری چلنے لگی۔ مطلق العنان حکمرانی کی تاروپود بکھرنے لگی۔ غلام اور پس ماندہ ممالک کو اپنی غلامی کا احساس ستانے لگا۔ عوام الناس یہ محسوس کرنے لگے کہ حاکمیت (Sovereignty) میں وہ بھی شریک اور سہیم ہیں۔ اسی احساس کی بدولت تمام دنیا میں انقلابی تحریکیں چلنے لگیں۔ حکومت کی بوسیدہ شکلیں بدلنے لگیں اور ان کی جگہ عوام کی حکومت کا تخیل پروان چڑھنے لگا۔ اس کے بعد دنیا میں ایک نیا سماج پیدا ہوا جو فرد اور اجتماع کی آزادی پر قائم تھا۔ لیکن عوام کی حکومت کے بعد بھی عوام کے مصائب کا علاج نہ ہوسکا۔ سائنس کی ترقی نے بہت جلد عوام کو پھر غلام اور دستِ نگر بنا کر رکھ دیا اور یہ غلامی پہلی غلامی سے زیادہ بھیانک اور خطرناک تھی اور اپنے نتائج میں شخصی حکومت کے مصائب سے کسی طرح کم نہ تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صنعتی انقلاب | عین اسی زمانہ میں صنعتی انقلاب (Industrial Revolution) رونما ہوا، اس سے معاشی زندگی اور تمدنی زندگی میں ایک زبردست تغیر واقع ہوا، غلام سازی کے کارخانے سیاست کی طرف سے رخ پھیر کر معیشت میں لوگوں کو اپنا غلام بنانے لگے۔ شخصی آزادی کے تصور پر نظام سرمایہ داری کی تعمیر ہونے لگی، مشینوں کی ایجاد اور کثیر پیداواری (Mass Production) کے امکانات نے غیر معمولی قوت بہم پہنچا دی۔ سرمایہ دار طبقوں نے شخصی آزادی اور اصول آزادی صنعت وحرفت کی آڑ میں انھوں نے بڑے بڑے صنعتی ادارے قائم کئے۔ صنعت وحرفت کے نئے مرکز رفتہ رفتہ عظیم الشان شہر بن گئے۔ دیہات اور مفصلات سے لاکھوں کروڑوں انسان کھنچ کھنچ کر ان شہروں میں جمع ہوتے چلے گئے۔ زندگی حد سے زیادہ گراں ہو گئی۔ مکان، لباس، غذا، اور تمام ضروریات زندگی پر آگ برسنے لگی۔ اور ایک ایسا سرمایہ دارانہ نظام وجود میں آگیا جس کے پنجے عوام پر شخصی مطلق العنان حکمرانوں سے زیادہ سخت تھے اور معاملہ یہیں تک نہیں رہا۔ آزادی صنعت وحرفت اور حریت شخصی کے اس تصور پر جس نظام سرمایہ داری کی بنا اٹھائی گئی تھی اس نے فرد کو ہر ممکن طریق سے دولت کمانے کا غیر مشروط اور غیر محدود اجازت نامہ دیدیا تھا اور نئے فلسفۂ اخلاق نے ہر اس طریقہ کو حلال اور طیب ٹھیرایا جس سے دولت کمائی جاسکتی ہو خواہ ایک شخص کی دولت مندی کتنے ہی اشخاص کی تباہی کا نتیجہ ہو۔

انھیں حالات میں مارکس نے جنم لیا جس نے نظام سرمایہ داری کے خلاف آواز بلند کی اور آزادی صنعت وحرفت کے اس اصول کی بڑی شدت سے مخالفت شروع کی جس کی آڑ میں سرمایہ دار دنیا کو لوٹ رہے تھے۔ اور علی الاعلان اس نے نظام سرمایہ داری کے اس ستائے ہوئے اور تباہ حال طبقے کی نمایندگی شروع کردی جس کو "مزدور" کہا جاتا ہے۔ ہم اس موضوع پر تفصیل سے بحث باب معیشت میں کریں گے۔ لیکن چونکہ مارکس کا ذکر خیر کرنا تھا اس لئے ہم نے بطور پس منظر کے ان حالات کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ذکر کر دیا جن میں مارکس نے جنم لیا۔

مارکس
اوپر کی سطور میں ہم نے مغرب کے امامِ سیاست میکیاویلی کا ذکر کیا ہے اور اس کے فلسفہ پر بھی ایک مختصر سا تبصرہ کر دیا ہے۔ جس طرح ہم میکیاویلی کو ایک گمراہ اور باطل پرست انسان سمجھتے ہیں اور اس کی تعلیمات کو انسانیت اور اخلاق کا ھادم گردانتے ہیں اسی طرح مارکس کو بھی انسانیت اور اخلاق کا دشمن اور بدترین مخالف سمجھتے ہیں اور اس کو ائمہ ضلال کی اس صف میں شامل کرتے ہیں جنھوں نے دنیا اور دنیا کے بسنے والوں کو گمراہ کیا اور جن کے وجود نے اخلاق اور انسانیت کو بہت ہی نقصان پہنچایا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مارکس مذہب و اخلاق کا دشمن کیوں تھا؟ اس کے مختلف اسباب تھے۔

پہلا سبب تو یہ ہے کہ مارکس کا نظریۂ کائنات اور نظریۂ انسانیت سراسر مادی اور لادینی ہے وہ انسان کو ایک معاشی حیوان سمجھتا ہے جو اپنی روٹی کے حصول کے لئے اخلاق، مذہب کا پابند نہیں ہے اس کے نزدیک انسان کا اعلیٰ تخیل یہی ہے کہ وہ کھائے اور عیش کرے اور فلسفہ میں وہ فیورباخ (Feverbch) اور ہیگل کا شاگرد ہے یہ دونوں کے دونوں دہریہ اور سخت قسم کے مادہ پرست تھے۔ مارکس کے نزدیک کسی خدا، کسی اخلاق، کسی مذہب کا وجود نہیں ہے یہ سب سرمایہ داروں کے ڈھکوسلے ہیں۔ مارکس اول و آخر مادی تھا اور مادی نقطۂ نظر اس کے یہاں ہر چیز میں نمایاں ہے اس کے نزدیک انسانی تاریخ اس دور کے سوا جب زندگی عہد طفولیت (State of Nature) میں تھی۔ معاشرتی طبقوں کی باہمی جنگ کی داستان ہے۔ وہ اقتصادی پہلو کے سوا انسانی زندگی کے اور دوسرے پہلوؤں کے اثر اور اہمیت کا منکر ہے، وہ دین و مذہب، اخلاق و کردار کو کسی حیثیت سے کوئی مؤثر عنصر نہیں مانتا اور نہ یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے کہ ان کو انسانی تاریخ کے بناؤ اور بگاڑ میں کچھ دخل ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تاریخ کے مشہور واقعات، جنگیں، بغاوتیں، انقلابات یہ سب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طبقہ داری جنگ (Class war) تھیں جو پیٹ اور معدہ کے لئے لڑی گئیں تھیں۔ اُس کا خیال ہے کہ اخلاق ومذہب اور خدا کا خوف یہ سب سرمایہ داروں کا ہتھیار رہے جو فاقہ مست عوام کو ان کے جائز حقوق سے غصب کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مارکس نے جگہ جگہ ان خیالات کا اعادہ کیا ہے اور اس اشتراکی فلسفۂ اخلاق کی شرح ایک موقع پر لینن نے بہت خوب کی ہے۔ سوویٹ یونین کی نوجوان کمیونسٹ لیگ کی تیسری کل روس کانگریس (منعقدہ ۲ اکتوبر ۱۹۲۰ء) میں اس نے جو خطبہ دیا تھا اس کا ایک ضروری ٹکڑا ذیل میں دیا جاتا ہے۔

"سب سے پہلے میں اشتمالی اخلاق پر گفتگو کروں گا، تمہیں اپنے آپ کو اشتمالی بنانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ . . . . . . کیا دنیا میں کوئی چیز اشتمالی اخلاق نامی بھی اپنا وجود رکھتی ہے؟ کیا کوئی اشتمالی ضابطۂ اخلاق بھی وجود میں آیا ہے؟ یقیناً ایک اشتمالی ضابطہ اخلاق ہے۔ بعض حلقوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ ہم کوئی فلسفۂ اخلاق نہیں رکھتے اور بسا اوقات بورژوا کہا کرتے ہیں کہ ہم تمام اخلاقی ضابطوں کے منکر ہیں، یہ ان کے ہتھکنڈے ہیں، اسی طرح یہ مسائل کو الجھا کر کسانوں اور مزدوروں کی آنکھ میں خاک جھونکا کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ہم کن معنوں میں اخلاق اور اخلاقی ضابطوں کا انکار کرتے ہیں؟ ہم ان تمام اخلاقی ضابطوں کے منکر ہیں جن کی تبلیغ بورژوا طبقے کی طرف سے کی جاتی ہے اور جو خدا اور وحی کے احکام سے مستنبط ہوتے ہیں، یقیناً ہم کہتے ہیں کہ ہم خدا اور مابعد الطبیعات حقایق پر یقین نہیں رکھتے کہ ارباب کلیسا، زمیندار اور بورژوا سب اللہ کے نام پر بولنے کا دعویٰ کرتے ہیں تاکہ اپنے غاصبانہ حقوق کی حفاظت کر سکیں۔

ہم ان تمام اخلاقی ضابطوں کے منکر ہیں جو مافوق البشر تصورات سے ماخوذ ہوں، یا طبقاتی تصادم پر مبنی نہ ہوں، ہمارا ضابطۂ اخلاق تمام وکمال طبقاتی تصادم اور پرولتاریہ کے مفاد کا تابع ہے، پرولتاریہ کے طبقاتی تصادم اور ان کی ضرورتوں پر ہم اپنے ضابطۂ اخلاق کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنیاد رکھتے ہیں۔"

"پرانا سماج غریبوں اور مزدوروں کے نوچ کھسوٹ پر اور سرمایہ داروں اور زمینداروں کی سرپرستی پر قائم ہے ہمیں اس سماج کو تباہ کرنا ہے ہمیں ان زمینداروں اور سرمایہ داروں کا تختہ الٹنا ہے، لیکن اس کیلئے تنظیم کی ضرورت ہے، خدا ایسی تنظیم نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ وہ ضابطہ اخلاق جو انسانی سماج کے باہر سے لیا گیا ہو۔ ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا، یہ ایک ڈھونگ ہے، ہمارا ضابطہ اخلاق پرولتاریہ کے مفاد کا تابع ہے"[1]

مارکس مذہب و اخلاق کا شدید مخالف تھا وہ اول تا آخر ملحد تھا، وہ خدا اور آخرت، اخلاق و مذہب کو انسانی زندگی کے آلام اور مصائب کہتا ہے۔ وہ نہ صرف اخلاق و مذہب کو ریاست اور حکومت سے دور رکھنا چاہتا تھا بلکہ وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بھی مذہب کو کسی حیثیت میں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارکس کے خیالات پر جس سوسائٹی اور تمدن کی بنیاد پڑی، اس میں طرح طرح کے انسانی مصائب اور مثالب پیدا ہوئے۔ ظلم، ناانصافی، بے حیائی نے عام زور پکڑا اور مارکس کے پیروؤں نے انسانیت پر جو مظالم ڈھائے ہیں اس کی نظیر انسانی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ اور مارکس کی تمام حکمت اور طریقۂ علاج اشتراکی سوسائٹی کے ناسوروں کا علاج کرنے سے قاصر ہے بداخلاقی، بدچلنی عام ہو گئی، عورت کی عصمت، انسانیت کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہی۔ اور ایک اشتراکی نوجوان کی تعریف ہی یہی ہونے لگی کہ جو اپنے نقطۂ نظر میں انتہا پسند اور انارکسٹ ہو۔ اور اس انتہا پسندی نے نظامِ معاشرت، نظامِ سیاست اور نظامِ معیشت تینوں کو تباہ اور برباد کر دیا۔[2]

---

[1] Religion. از لینن ص ۷۵، ۸۰۔ [2] اس موقع پر ہم روس میں شہوانیت، فحاشی اور مظالم کی مثالیں محض اس لئے نہیں دے رہا ہوں کہ اب تقریباً ہر شخص کے علم میں یہ باتیں آچکی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشتراکیت کے نظام معیشت پر تبصرہ بعد میں کیا جائیگا۔ یہاں اس کا موقع نہیں ہے انشاء اللہ باب معیشت میں ہم جب جاہلی معیشت پر تنقید کریں گے تو اس پر بھی بحث ہوگی۔

جس سماج میں خدا اور معاد کا عقیدہ نہ ہو، جو معاشرت جزا اور سزا کے تصور سے بے نیاز ہو جو سوسائٹی اخلاق اور مذہب کو جلا وطن کر چکی ہو اس کو اخلاقی انحطاط سے کون بچا سکتا ہے؟ جب مذہبی اخلاق نہیں تو پھر پابندیاں کہاں؟ آزاد جوڑے بر ملا، بلا روک ٹوک گل چھرے اڑانے لگے روسی انقلاب کے بعد اشتمالی نوجوانوں میں یہ روگ اتنا بڑھا کہ خود اشتمالی لیڈر اس انجام سے گھبرانے لگے اور انھوں نے اپنے پیرؤوں کو اس اخلاقی انحطاط سے روکنے کی کوشش کی، لیکن اوپری تدبیریں کچھ کام نہیں دیتیں جب تک کہ جڑ کا استیصال نہ کیا جائے۔ ان اشتمالی لیڈروں کو روس کے نوجوانوں نے یہ طعنہ دیا کہ نیا روس پھر پرانے اخلاقی ضابطوں کا قائل ہو رہا ہے۔

مشہور اشتراکی ام۔ ار۔ مسانی اپنی کتاب (Soviet Side Light) میں لکھتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ مسٹر ایم جوڈ (C. [illegible]) اور ان جیسے بعض اصحاب یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ روس کے اشتمالی لیڈر اپنے [illegible] نظریوں سے پھر رہے ہیں، اور ایک ایسی سوسائٹی کا تخیل (جس میں شادی، کنبہ اور خانہ داری کے جھنجھٹ نہ ہوں) ان کے دماغوں سے نکل رہا ہے، یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ روس پھر انہی پرانے اخلاقی ضابطوں کی طرف لوٹ رہا ہے جو انقلاب کے سیلاب میں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نئی سماجی اور صنفی آزادی کے بے جا اور انتہا پسندانہ استعمالی کے روک و تھام کا خیال پیدا ہو گیا ہے لیکن اس رجحان سے یہ خیال کر لینا کہ روس پھر پرانے اخلاقی ضابطوں کی طرف لوٹ رہا ہے ایسا ہی غلط ہوگا جیسے یہ سمجھنا کہ سوویٹ یونین پھر سرمایہ دارانہ نظام کو اختیار کرنا چاہتا ہے۔"

یہی مصنف دوسری جگہ اس "صنفی آزادی" کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مردوں کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی اب آزادی سے متمتع ہو رہے ہیں، عورت اب محض جائداد منقولہ (Chattel) نہیں رہ گئی ہے، اس نے آزاد انسانیت کے تمام حقوق حاصل کر لئے ہیں، شادی اور طلاق کے قوانین اس پر گواہ ہیں عصمت فروشی کا کامیاب خاتمہ اس انقلاب کا اہم اور نمایاں مظہر ہے[1]۔"

عجیب بات ہے کہ اشتراکی مصنف اس بات کو بڑے فخر سے بیان کرتا ہے کہ روس میں اب چکلے اور بالاخانے موجود نہیں ہیں بالاخانوں اور چکلوں کی ضرورت تو وہاں پڑتی ہے جہاں پوری سوسائٹی زانی اور زانیہ نہیں ہے بلکہ طبقہ ایسا ضرور ہے جو اپنی خواہشات کی تسکین جا کر زنان بازاری کے یہاں کرتا ہے جیسے ہندوستان اور دوسرے ممالک۔ لیکن جہاں کا ہر شخص زانی اور زانیہ ہو، جہاں آزادانہ فحاشی ہوتی ہو، پھر وہاں اس کی کیا ضرورت ہے؟ امریکہ، فرانس اور روس میں اب کیا ضرورت ہے کہ سوسائٹی کا ایک طبقہ خاص یہی خدمت انجام دے۔

الحاد کے اسٹیج پر اب ایک نئی شخصیت نمودار ہوتی ہے جو عقل سے، فطرت سے، علم الاقوام سے، الحاد و بے دینی کو انسانی زندگی کا غایت اور مقصد قرار دیتی ہے اور جس کے پرزور دلائل عیسائی علم الکلام اور کلیسائی جبر و استبداد کے پرخچے اڑا دیتے ہیں۔ یہ شخصیت مکیاویلی سے متاخر اور مارکس سے پیشرو ہے۔

ڈاروِن (۱۸۰۹-۱۸۸۲)

ڈارون سے پہلے یورپ نے الحاد اور مادیت کی راہ تو اختیار کر لی تھی لیکن ان کے الحاد کے لئے باقاعدہ کوئی علمی اور عقلی دلیل نہ تھی۔ لیکن جب ڈارون نے اپنا مشہور اور معروف نظریۂ ارتقاء (Evolution Theory) دنیا کے سامنے پیش کیا تو یہی موقعہ تھا کہ یورپ کے فلسفہ الحاد کو دلائل اور منطق کا سہارا دیا گیا اور یورپ کا الحاد جو بے سہارا

---

[1] اباحت مطلقہ کے بعد پھر طوائفوں کی کیا ضرورت ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چل رہا تھا ایک لکڑی کا پاؤں دیا اور یورپ نے اسے لپک کر لے لیا اور نہ صرف سائنس میں بلکہ اپنے تمام شعبوں میں فلسفہ اخلاق اور علوم عمران تک میں اس کے اس نظریہ کو قبول کیا گیا۔ مادیت اور الحاد کے دیرینہ خواہش مندوں کو نظری اور علمی دلائل کا ایک گوہر مقصود ہاتھ آگیا۔

۱۸۵۹ء میں جب ڈاروِن کی کتاب اصل الانواع (Origin of Species) شائع ہوئی تو الحاد کے تمام اسکولوں نے اس کا شاندار خیر مقدم کیا۔ اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ انسان دراصل ایک ترقی یافتہ جانور ہے جو کسی خاص مقصد اور غایت کے ساتھ نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ اپنے ہزاروں سال کے نوعی سفر میں منزل بمنزل درجہ بدرجہ بندر اور بندر سے انسانی شکل کو پہنچا ہے۔ اس کتاب نے سارے یورپ کی توجہ کو اپنی طرف پھیر لیا اور ڈاروِن کا یہ نظریہ وقت کا سب سے اہم اور بڑا موضوع بن گیا۔

اس نظریۂ ارتقا نے انسانی زندگی کے مسائل پر غور کرنے کا زاویہ ہی بدل دیا اور حیوانات کی تاریخ نشو و ارتقا اور ان کے عادات و اطوار اور خصائص سے کافی دلچسپی پیدا کردی۔ اس نظریہ نے آسمانی اور الہامی صحیفوں کے اس نظریہ کو کہ اس دنیا میں انسان ایک جوڑے کی اولاد ہے اور ایک خاص مقصد اور اسکیم کے مطابق پیدا کیا گیا ہے کی تغلیط کر دی اور لوگوں کو یہ اعتقاد دلایا کہ یہ کائنات بغیر کسی غیر طبعی طاقت کی مداخلت کے چل رہی ہے اور طبعی قوانین کے علاوہ اس کی کوئی علت نہیں۔ موجودات عالم زندگی کے ابتدائی مراتب سے انتہائی مراتب تک ایک ایسے تدریجی ارتقا کے ساتھ چل رہے ہیں جس میں عقل و حکمت کا کچھ دخل نہیں ہے۔ کسی صاحب عقل خلق و امر ہستی کا وجود نہیں جو کچھ ہو رہا ہے فطری قوانین و ضوابط کے ماتحت ہو رہا ہے۔ یہ نظریہ اپنے اصولوں، نتائج، ذہنی اور عملی اثرات میں دین اور مذہب کے نہ صرف خلاف ہو بلکہ اس کا سب سے بڑا دشمن ہے اور دنیا میں اتنا مدون فلسفہ الحاد کبھی بھی اختراع نہیں کیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شروع شروع میں جب اس نظریہ کی اشاعت کی گئی تو اہلِ مذاہب نے اس کی بڑی شدید مخالفت کی تکفیر اور تفسیق کے تمام اسلحے استعمال کیے گئے لیکن اس سے کیا ہو سکتا تھا۔ اگر علمی اور عقلی حیثیت سے آپ ڈارون کے منہ کو نہیں بند کر سکے تو تکفیر و تفسیق کی توپیں کیا کام دے سکتی تھیں؟ پھر جبکہ دنیا کا مزاج اس کو قبول کرنے کیلئے آمادہ بھی ہو۔ ڈارون کے اس نظریہ کا تمام تر ماخذ اور استدلال علم الاقوام اور علم الآثار ہیں۔ ضرورت تھی کہ علم الاقوام اور علم الآثار ہی سے اس کے نظریہ کی تغلیط کی جاتی اور اسے بتایا جاتا... کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ عقل اور ہوش سے اگر مذہبی حضرات کام لیتے تو ناممکن تھا کہ ڈارون بغیر رسوا ہوئے دنیا سے جاتا۔ لیکن گالیوں سے کوئی چیز غلط نہیں کی جا سکتی جب تک دلائل کا توپ خانہ آگے نہ ہو۔[1]

نظریۂ ارتقاء کا اثر انسانی زندگی پر

نظریہ ارتقاء نے خیالات، تہذیب و سیاست غرضیکہ زندگی کے تمام شعبوں پر بڑا گہرا اور وسیع اثر ڈالا، عہدِ فطرت کی طرف بازگشت کا خیال، عریانی اور زداقیت کی اشاعت، اس شجرِ غیر صالح کے نتائج تھے۔ لوگوں نے سوچنا شروع کیا کہ جب انسان جانور ہے تو اسے چاہئے کہ اپنے اندر تمام جانوروں کی خصوصیات پیدا کرے۔ جب اس کی فطرت میں یہ چیز داخل ہے کہ کھائے پیئے اور خوش رہے اور اپنی صنفی خواہش کو بے قید رکھے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ نکاح کا بارِ گراں اپنے سر پر اٹھائے پھرے۔ جب جانور اپنے لئے نکاح نہیں پسند کرتے اور ہر صنف سے بوقتِ ضرورت تمتع کر لیتے ہیں تو پھر انسان ہی کیوں مجبور ہے کہ وہ زندگی بھر کے لئے ایک پابندی کا جوا اٹھائے پھرے؟ تفصیلی بحث تو نظامِ معاشرت میں کی جائے گی۔ یہاں ہم نے اشارۃً ارتقاء کے اثرات

---

[1] علمی حیثیت سے ڈارون کے نظریہ کی تغلیط ڈاکٹر عمر، الف بہرن نے کی ہے۔ اس موضوع پر میرے مطالعہ میں ڈاکٹر صاحب کی کتاب سے کوئی اچھی کتاب نہیں آئی۔ اس نومسلم جرمن ڈاکٹر نے علم الاقوام سے ڈارون کے مفروضات اور مغالطات کی تردید کی ہے۔ کتاب کا نام ہے "علم الاقوام"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بیان کردیا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ نظریۂ ارتقار نے انسان ایسی اشرف مخلوق کو جس کے کندھوں پر خدا نے امامت اور قیادت کا بارگراں رکھا ہے جس کو خدا نے اپنی مقدس تعلیمات کا حامل بنایا ہے، اس زمانہ جدید میں آگرہ حیوان بننے میں فخر اور عزت محسوس کرتا ہے۔ نظریہ ارتقار کے اثرات اور مقبولیت پر تبصرہ کرتے ہوئے جارج برناڈ شا نے کیا مزے کی بات لکھی ہے:-

"ڈارون کے پیش کردہ نظریہ سے ہر وہ جماعت خوش ہوئی جو اپنے جداگانہ اغراض رکھتی تھی جنگ کے حامیوں سے لیکر اشتراکیت پسندوں اور سرمایہ داروں تک نے اس نظریہ کا خیر مقدم کیا۔ اشتراکیوں کو یہ نظریہ اس لئے بھی پسند آیا کہ اس میں ماحول کے اثرات کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی تھی۔ اگر لامارک کے خیال کے مطابق لمبی گردن کی خواہش اور اس خواہش کی تکمیل کے لئے مخلصانہ سعی و عمل سے واقعتاً اونٹ کی گردن لمبی ہوسکتی ہے تو پھر انسان بھی اپنی سیرت و کردار کو جن سانچوں میں چاہے ڈھال سکتا ہے۔ ڈارون نے ان سب خیالات کا صفایا کردیا اور انواع کے ارادوں اور خواہشات کو ماحول کی قوتوں کے سامنے عاجز اور بے بس قرار دیا۔ سرمایہ دار طبقہ اس نظریہ کا اس لئے دلدادہ تھا کہ اس میں تنازع للبقار (Struggl for existence) اور بقار اصلح کے تصور کو پیش کیا گیا تھا اور "بنی آدم اعضار یکدیگر اند" کے اصول کو باطل ٹھہرایا گیا تھا۔ اس نظریہ کی رو سے کمزور کی شکست و بربادی اور طاقت ور کی فتحمندی فطرت کا ایک ازلی قانون ہے۔"

مسٹر شا نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ نظریہ ارتقار یورپ کے تمام الحادی نظریوں کی تقویت کا باعث ہوا، اشتراکیت نے اس نظریہ سے اپنے دلائل کو مضبوط کیا، سرمایہ داروں نے اپنے وجود کو برحق ثابت کرنے کیلئے اسے فطرت کا ایک ازلی اصول گردانا۔ صنفی انارکی کے حامیوں نے اپنے نظریہ کے جواز میں اس سے استدلال کیا۔ غرضیکہ انسانی زندگی کے تمام گوشے اس سے متاثر ہوئے اس لئے ہم ڈارون کو انسانیت کیلئے ایک لعنت سمجھتے ہیں اور اسے شیاطین کا ابو الاباء کہنے میں ہم حق بجانب ہیں۔ (باقی)

© rasailojaraid.com